ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

اسلام میں آزادی اور ترقی کا مفہوم

آزادی اور ترقی کے بارے میں اسلامی نکتۂ نظر کیا ہے ؟ اس موضوع پر بحث کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ آزادی اور ترقی سے متعلق عام تصورات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

جب ہم آزادی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ہمیں اس مقصد کی نشاندہی کرنی پڑتی ہے جس کے لئے آزادی مطلوب ہو۔ کیونکہ آزادی ہمیشہ کسی نہ کسی آدرش یا نظریے کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے چنانچہ آزادی کی کچھ حدود متعین کی جاتی ہیں۔ اس پر ایسی پابندیاں لگائی جاتی ہیں جو اس مقصد یا نظریے کے حصول میں معاون ہوں۔ آزادیٔ مطلق —— یعنی ہر قسم کی حدود و قیود سے مستثنیٰ آزادی —— کا نہ ماضی میں کہیں وجود تھا نہ ہی مستقبل میں اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت کی تخلیق اسی انداز پر ہوئی ہے کہ آزادیٔ مطلق اس کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوسکتی۔ گویا آزادی کی ایک سے زیادہ صورتیں ہیں اور وہ جن نظریات یا مقاصد کے لئے ہوں، اسی تناسب سے ان پر پابندیاں ہوتی ہیں۔

ہر مذہب، سماجی یا سیاسی برادری ایک علیحدہ نظریاتی گروپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے پیشِ نظر کوئی نہ کوئی ایسا نظریہ ہوتا ہے جس کی بنیاد کسی آدرش یا مقصدِ حیات پر ہو۔ مقصدِ حیات ایک قوت (CRACY) ایک ازم اور ایک مذہب ہوتا ہے۔ اس گروپ کی پوری زندگی پر اس کی چھاپ ہوتی ہے یہ بنیادی حقیقت کہ ایک سماجی برادری جداگانہ حیثیت رکھتی ہے، یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اس کا اپنا مقصدِ حیات اور جداگانہ آدرش ہے۔ آزادی کے متعلق اس سماجی گروہ کا اپنا تصور ہوتا ہے جس کے مطابق آزادی کو بروئے کار لانے کے لئے اس پر کچھ پابندیاں لگادی جاتی ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک مغربی کمیونسٹ آزادی کی بات کرتا ہے تو اس سے وہی آزادی مراد ہوتی ہے جو اس کے نظریۂ حیات ——— کمیونزم ——— کے مطابق ہو۔ اس کے برعکس جمہوریت پسندوں اور سرمایہ داروں کے نزدیک آزادی کا کچھ اور مفہوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک فرانسیسی کی آزادی، ایک امریکی، ایک اطالوی اور ایک انگریز سے مختلف ہوتی ہے۔ اور روسی کمیونسٹ جس آزادی سے ہمکنار ہوتا ہے، وہ باقی دوسروں کی آزادی سے بالکل الگ چیز ہوتی ہے۔ سرمایہ دار ممالک روس پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے اپنے شہریوں کی آزادیاں سلب کر رکھی ہیں، جب کہ روس ان سرمایہ دار قوموں پر، جو "دُنیا کی آزادی پسند اقوام" کہلاتی ہیں، الزام لگاتا ہے کہ انہوں نے مزدوروں کی آزادی چھین لی ہے اور ان کا استحصال کر رہی ہیں۔ کمیونسٹ اور سرمایہ دار اپنی اپنی جگہ دونوں درست ہیں۔ کیونکہ ہر ایک کے سامنے غلامی اور آزادی کا جداگانہ تصور ہے۔ اگر دنیا کی نام نہاد آزادی پسند قومیں اپنے شہریوں کو کمیونسٹ بننے کی اجازت نہیں دیتیں تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں، یہ تو فطرت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ ہر ایک نظریہ اور نصب العین اپنے پیروکاروں پر ایسی پابندیاں لگاتا ہے جو اس نظریے کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔ اس کیفیت کو آزادی کا نام دے لیں یا غلامی کا، یہ ہر گروہ کے نظریہ پر منحصر ہوتا ہے۔ جب ایک قوم اپنی آزادی کی تعریف میں رطب اللسان ہوتی ہے تو اسے آزادی پر لگائی گئی قیود کی بھی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

اگر لفظ آزادی کے یہی معنے ہیں جن کا عنوانِ بالا میں ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مراد وہی آزادی ہے جس کی مغربی اقوام قائل ہیں، تو اسلام کا ایسی آزادی سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اسلامی نظریۂ حیات مغرب کی ہر قوم کے فلسفۂ زندگی سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام بذاتِ خود ایک نظریہ ہے، اس کا اپنا ایک مقصدِ حیات ہے۔ جس کی بنیاد داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق خدا کی محبت اور اس کی اطاعت پر ہے۔ اسلامی نکتۂ نظر سے ہر وہ سرگرمی، جو ایک مسلمان کو خدا کی محبت اور عبادت میں مدد دے، آزادی ہے۔ اور ہر وہ فعل جس کا نتیجہ اس میں رکاوٹ ڈالنا ہو، وہ پابندی اور غلامی ہے جو مسلمان کو قبول نہیں کرنی چاہیے اور اس کے خاتمہ کے لئے کوشاں ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ ہم یہ حقیقت فراموش کر جاتے ہیں کہ کسی آدرش یا نظریے کے مطابق آزادی پر لگائی گئی پابندیاں داخلی بھی ہوتی ہیں اور خارجی بھی۔ ہم بڑی شدّومد سے عالمگیر اخلاقیات کی طرف بھاگتے ہیں اور ایک اچھی اور خوش نصیب زندگی گزارنے کی خواہش رکھتے ہیں چنانچہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی کو برائی پر مجبور کیا جا رہا ہے،

توہم اس کی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور پر زور الفاظ میں مجبور کرنے والے کی مذمت کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہی آدمی اپنی مرضی اور منشاء سے کسی بُرائی کا مرتکب ہوا ہوتو ہم اسے حق بجانب سمجھتے ہیں اور بُرائی کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتے۔ حالانکہ اپنی مرضی سے کیا گیا بُرا کام، مجبوری کی حالت میں کئے گئے فعلِ بد سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسے معاملات میں ہماری رائے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی بنیاد اس حقیقت پر ہوتی ہے کہ ہم یقینی طور پر اچھائی اور برائی کے مفہوم سے آشنا نہیں ہوتے۔

ہم ایک فرد کے ہاتھوں دوسرے کے قتل کو گوارا کر لیتے ہیں لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ قتل ایک غیر اخلاقی اور بُرا فعل ہے۔ ہم قاتل کو خود اپنا خاتمہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ برائی کیا ہے تو ہم ان دو افراد میں قطعی امتیاز نہ کریں، جن میں سے ایک دوسرے کے ساتھ بُرائی کرتا ہے اور دوسرا خود اپنے ساتھ۔ اگر ہم سائنٹیفک، واضح اور یقینی طور پر یہ جان لیں کہ ہمارے لئے برائی کیا ہے اور اچھائی کیا۔ تو ہماری بہت سی آزادیاں غائب ہو جائیں۔

آج ہم حفظانِ صحت کے اصولوں کا قطعی اور یقینی علم رکھتے ہیں۔ اس لئے بزورِ شمشیر دوسروں سے ان کی پیروی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی عام شاہراہ پر کیچڑ اچھالتا یا گندگی بکھیرتا ہوا پکڑا جائے تو اُسے جرمانہ اور قید کی سزا دیتے ہیں۔ اگر ہمیں جسمانی صحت کے اصولوں کی طرح اخلاقی صحت کی اہمیت کا احساس ہو جائے تو ہم انہیں بھی بالجبر لوگوں پر نافذ کریں گے۔

اب بتایئے آزادی سے ہماری کیا مراد ہے؟ آزادی کے متعلق ہمارے بہت سے تصورات محض جہالت کی علامت ہیں۔ ہم ایسی آزادی کے خواہاں ہیں کہ جو جی میں آئے کرتے پھریں۔ کیونکہ ہم اچھائی اور برائی کا صحیح شعور نہیں رکھتے۔ میں یہ بات پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ موجودہ دَور میں انسان کو جو چیز تیزی سے تباہی کی طرف لے جا رہی ہے، وہ اس کی آزادی ہے، غلامی نہیں۔ انسان خود اپنی اغراضِ نفس اور خواہشات کا بندہ بن گیا ہے۔ اگر وہ واقعی آزادی کا طالب ہے تو اسے خود کو اپنی غلامی سے آزاد کرانا ہوگا۔ اسے اپنے نفس سے چھٹکارا پانا ہوگا۔ اسلام فرد کی داخلی آزادی کے لئے راہیں بتاتا ہے اور اسے خود اپنی غلامی سے نجات دلاتا ہے۔

ترقی کا بھی یہی کچھ حال ہے۔ جب ہم ترقی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمیں ترقی کی وہ سمت متعین کرنی ہوتی ہے جو ہمارے پیشِ نظر ہو۔ مثلاً ایک ماہر نقب زن جو اپنے پیشے میں کام آنے والے پیچیدہ سائنسی آلات استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اپنے بیٹے کو اس پیشے کی تربیت دینا شروع کر دے تو وہ اپنے

دل میں مطمئن ہو سکتا ہے کہ اس کا نورِ نظر ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ ترقی کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں سے بعض یک طرفہ، جانبدارانہ اور فرقہ وارانہ ہیں اور بعض ایسی جو دوسری ترقیوں کو قربان کرنے سے حاصل ہوتی ہیں، یہ صورتیں زیادہ جامع اور عام فہم ہوتی ہیں۔

جانبدارانہ اور فرقہ وارانہ ترقی خطرناک ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں انسانی صلاحیتوں کا بیشتر حصہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ ترقی اپنے لئے آپ گڑھا کھودتی ہے۔ انسان کی تخلیق اس انداز پر ہوئی ہے کہ یا تو وہ مجموعی حیثیت سے ترقی کرے ورنہ کوئی بھی ترقی نہ کر سکے۔ مغربی دنیا نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں جو کچھ ارتقا پایا ہے، وہ سراسر جانبدارانہ فرقہ وارانہ اور خطرناک قسم کا ہے۔ مغرب کے اہلِ دانش کو خود اس ترقی (معکوس) کے خطرات کا احساس ہو گیا ہے اور اب وہ ببانگِ دُہل ایسی ترقی سے باز رہنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں بطورِ شہادت چند مشہور اہلِ قلم کی تصانیف سے اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔ معروف ماہرِ نفسیات میک ڈوگال ایک جگہ رقمطراز ہے۔

”انسانی فطرت سے ہماری لاپروائی اور بے خبری کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرتی علوم کی ترقی بند ہو گئی اور اب بھی بند ہے۔ حالانکہ معاشرتی علوم کا فروغ و ارتقا جدید دَور کی اشد ضرورت ہے۔ ان کی ترقی رک جانے سے ہماری تہذیب کے انحطاط بلکہ مکمل زوال کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔“

ایک اور مشہور ماہرِ نفسیات سکنر اپنی کتاب "SCIENCE AND HUMAN BEHAVIOUR" میں لکھتا ہے۔

”بلاشبہ سائنس نے بے پناہ ترقی کی ہے۔ آسان مسائل کو پہلے حل کر کے اس نے ہماری توجہ بے جان نیچر پر اس قدر مرکوز کرا دی ہے کہ ہم اس کے بعد آنے والے معاشرتی مسائل کے لئے کوئی تیاری نہیں کر سکے۔ مادی سائنس کے ارتقار کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اس میں معاشرتی سائنس کا مُعتد بہ حصہ شامل نہ ہو۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں اس ترقی سے مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔“

اسلام ایک جامع، ہر پہلو سے مکمل اور ہمہ جہت ترقی کے اصول پیش کرتا ہے اور انسان کو فرقہ وارانہ ترقی سے خبردار کرتے ہوئے عاد اور ثمود کی اس بے پناہ ترقی کی مثالیں دیتا ہے جو آخر کار ان کی ذلت اور تباہی کا سبب بنی۔ اسلام ہمیں انتہائی ضروری معاشرتی علوم کی بنیادی حقیقتیں فراہم کرتا ہے جن کی عدم موجودگی میں مغربی تہذیب تباہی کے کنارے پر پہنچ گئی ہے۔

یہ درست ہے کہ عالمِ اسلام کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کے لئے مغربی دنیا سے استفادہ کرنا ہوگا لیکن اس کے مقابلے میں مغرب اسلام سے جو کچھ حاصل کر سکتا ہے، وہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے۔ اسلام کے پاس وہ بیش بہا گوہر ہے جس کے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی نہ صرف بیکارِ محض ہیں بلکہ یقینی طور پر تباہ کن اور ہلاکت خیز بھی۔

ترقی کا لفظ جب عالمِ انسانیت کے بارے میں بولا جاتا ہے تو اس کا سائنس سے گہرا رابطہ ہوتا ہے۔ یہاں ترقی سے مراد انسانی زندگی کے نفسیاتی اور معاشرتی مرحلے میں انقلاب کا واقع ہونا ہے۔

ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ حیاتیاتی ارتقا کی بھی ایک آخری منزل تھی جہاں انسانی زندگی نہ صرف اپنی مکمل ترین شکل میں ظاہر ہوئی بلکہ پوری دُنیا پر غالب آگئی۔ کیا اس صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشرتی اور نفسیاتی ارتقا یا آسان لفظوں میں نظریاتی ارتقا کا کوئی منتہائے مقصود نہیں؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ماہرینِ حیاتیات جن میں جولین ہکسلے کا نام سرِفہرست ہے اور فلسفۂ تاریخ کے علمائ، جن میں سپنگلر، ٹینبی، سوروکن اور دوسرے بہت سے لوگ شامل ہیں، نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ نظریاتی ارتقا کی منزلِ مقصود کیا ہے۔ وہ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ تاہم ایک بات واضح ہے وہ یہ کہ جس طرح حیاتیاتی ارتقا کا نکتۂ معراج نہ صرف حیاتیاتی جسم کا ظہور تھا بلکہ پوری دُنیا پر اس کا غلبہ بھی، اسی طرح نظریاتی ارتقا کا مقصد صرف ایک مکمل ترین نظریاتی برادری کی تشکیل ہی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پوری دنیا پر حاوی ہو۔

بعض لوگوں نے حیاتیاتی قیاسات کو پسند نہیں کیا۔ تاہم ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس کی فطرت، بنیادی خوبیاں اور خصوصیات حیاتیاتی اور نظریاتی ارتقا کے مراحل میں یکساں رہتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حیاتیاتی قیاسات زندگی کے عمل کو عقلی بنیادوں پر سمجھنے کے لئے قابلِ قدر رہنمائی کرتے ہیں۔

گویا کوئی مذہبی، معاشرتی یا سیاسی برادری صرف اس سمت میں ترقی کر سکتی ہے جو اس کے نظریات سے ہم آہنگ ہو، ورنہ وہ ارتقائی دوڑ میں لازماً پیچھے رہ جائے گی۔ یہ ارتقائی عمل صرف اس قوم کو آگے بڑھنے دے گا جو صلاحیتوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی پذیر ہوگی۔ ملّتِ اسلامیہ قرآن مجید کی نصف درجن سے زائد ایسی محکم آیات پر یقین رکھتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ وہی دُنیا کی سب سے آخری قوم ہے جو انسانیت کے نکتۂ انتہا تک پہنچے گی۔

بظاہر آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی زبوں حالی کے پیش نظر یہ دعوی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے تاہم مسلمانوں کے لئے یہ صورت حال مایوس کن نہیں۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کا نظریہ حیات یعنی توحید ــ جو ان تمام نظریات میں مکمل ترین ہے جو انسانی تخیل میں آسکتے ہیں، ان کی ہمہ جہت اور مسلسل ترقی کی ضمانت ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی حالت ایسی ہے جیسی کہ کروڑوں سال پہلے انسان کی تھی جب کہ وہ محض جنگلی جانور تھا اور جنگل کے دوسرے طاقتور جانوروں مثلاً ہاتھی، شیر، ببر شیر، ریچھ وغیرہ کے مقابلے میں کمزور تر۔ یہ جانور پنجے، دانت، اور سونڈ سے مسلح تھے اور بچارے انسان کو جان بچانے کے لئے غاروں میں یا درختوں پر پناہ لینی پڑتی تھی۔

اس وقت کون سوچ سکتا تھا کہ انسان نہ صرف زندہ رہے گا، بلکہ ترقی کرے گا اور پوری زمین پر چھا جائیگا۔ جب انسان نے ہتھیار ایجاد کرلئے تو اسے جانوروں پر بالادستی حاصل ہوگئی۔ امید ہے کہ اسی طرح مسلمان قوم بھی نظریہ توحید سے ماخوذ انسانی فطرت کے متعلق سائنسی نظریات کی شکل میں ایسے ہتھیار ایجاد کرے گی جو تمام نسلِ انسانی کے لئے مفید ثابت ہوں گے اور مسلمانوں کو دورِ جدید کی جزوی طور پر ترقی پذیر قوموں پر بالادستی حاصل ہو جائے گی۔

قرآن حکیم کی تلاوت ـــــ باعث اجر و ثواب
قرآن حکیم میں تفکر و تدبر ـــــ موجب فوز و فلاح
قرآن حکیم کی تبلیغ ـــــ شہادت حق و رسالت
قرآن حکیم کی اشاعت ـــــ اعلائے کلمة الله
قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس ـــــ فروغ اتحاد ملی

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور

سالانہ چندہ: تین روپے (=/3)
خود مطالعہ فرمایئے۔ عزیزوں دوستوں کو تحفةً جاری کروائیے
نمونے کا پرچہ مفت طلب کیجئے

سیکرٹری قرآن حکیم فاؤنڈیشن
آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس
۷۔ فرینڈز کالونی، ملتان روڈ لاہور